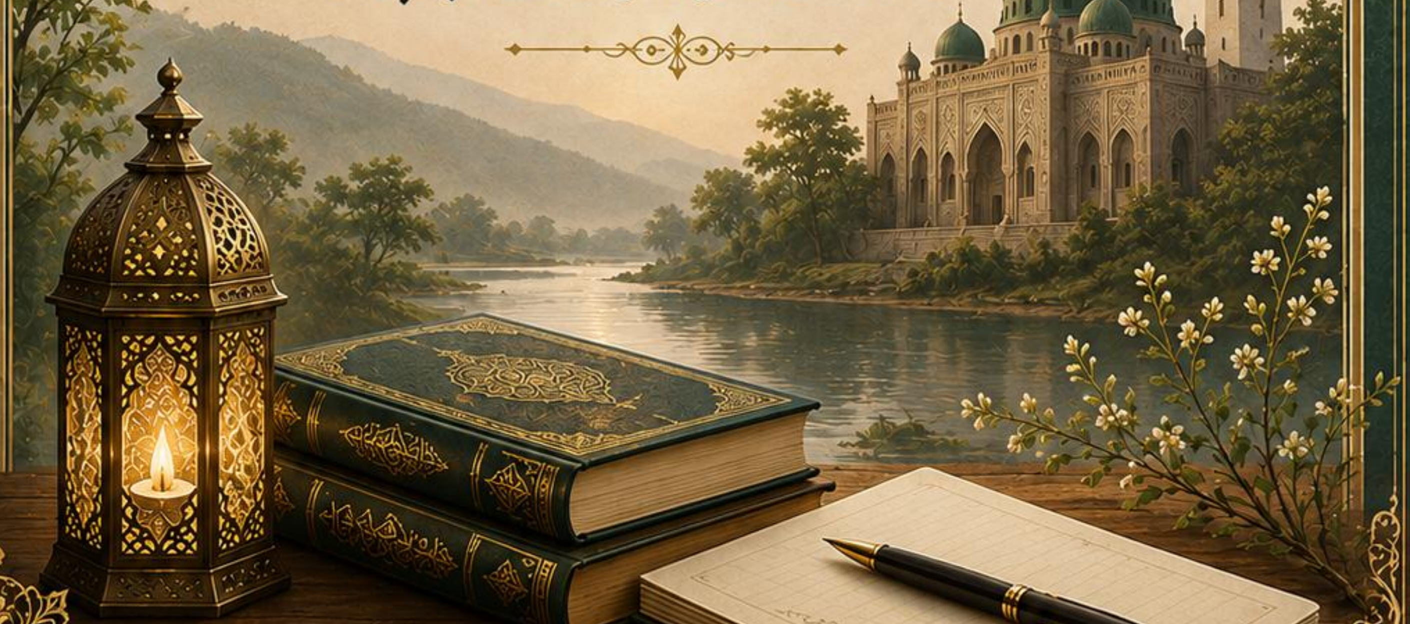
مولانا انوار اللہ فاروقی

امام احمد رضا کی نظر میں

مولانا انوار اللہ فاروقی کے خط کا جواب
اور انوار اللہ فاروقی کا اس خط سے لاجواب ہونا



شیخ الاسلام حضرت مولانا انوار اللہ خاں بانی جامعہ نظامیہ حیدر آباد، دکن

از حیدر آباد　　(۱)

مولانا المعظم ذوالمجد والکرم دام فضلکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کرمنامہ پہونچا۔ کیفیت معلوم ہوئی۔ مولوی محمد معین الدین صاحب صدر مدرس مدرسہ معینہ عثمانیہ اجمیر شریف نے ایک رسالہ لکھ کر بغرض طبع میرے پاس پیش کیا۔ چونکہ تعامل اہل حرمین شریفین اور جمیع بلاد اسلامیہ کی اس میں تائید تھی اور کوئی ایسی نئی بات اس میں نہیں تھی کہ جس سے مسلمانوں کی حالت موجودہ میں تفرقہ واقع ہو۔ اس لئے اس کے طبع کرنے کی اجازت دی گئی۔

مولانا! آپ کی طبع وقاد اور ذہن نکتہ رس سے توقع ہے کہ اس معاملہ میں آپ نے غور سے کام لیا ہوگا۔ مگر مسلمانوں کی حالت موجودہ پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔ کیونکہ اس زمانے میں ادنیٰ ادنیٰ بات پر ایک فرقہ بن کر باہمی جنگ وجدال شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے دوسرے اقوام کی نظروں میں فریقین ذلیل وخوار دکھائی دیتے ہیں اور ان کو تضحیک کا موقع ملتا ہے۔ غیر مقلد و قادیانی وغیرہ، احداث مسائل کیلئے کافی تھے۔ اگر آپ جیسے حضرات بھی اس قسم کی رفتار اختیار فرمائیں، تو مصلحت سے بالکل بعید ہے۔ آپ سماعت فرما چکے ہوں گے کہ اس مسئلہ کے احداث کے بعد اکثر علماء جو آپ کی ہر بات میں ہم خیال وہم زبان تھے، وہ بھی مخالفت پر آمادہ ہو گئے ہیں اور اکثر مقامات کے مسلمانوں میں تفرقہ پڑ گیا ہے۔ بلکہ جنگ وجدال کی نوبت بھی

پہونچ گئی ہے۔

آپ غور فرمایئے کہ یہ امر کس قدر بدنما اور مضرت بخش ہے۔ یہ مسئلہ کوئی ضروریات دین میں سے نہیں سمجھا جاسکتا، بلکہ اگر خارق اجماع کہا جائے، تو بے موقع نہ ہوگا۔ پھر ایسے مسئلہ کی اثبات کی جانب توجہ کو مبذول فرمانا جس سے ضروری مسائل دین کی اشاعت اور فرق باطلہ کی تردید کا سد باب ہوجاتا ہے کس قدر خلاف مصلحت ہوگا۔ میری رائے میں اب اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لئے زور دینا اور اوقات عزیز کو اس میں صرف کرنا بے ضرورت معلوم ہوتا ہے۔

(محمد انوار اللہ عفی عنہ)

(اجلی انوار الرضا ص ۷۔۶ طبع اہلسنت بریلی)

جامع درکار ہیں، بفضلہٖ عزوجل ذات والا میں سب آشکار ہیں۔ علم و فضل، انصاف و عدل، حق گوئی، حق جوئی، حق دوستی، حق پسندی، پھر بحمدہ تعالیٰ غلامی خاص بارگاہِ بیکس پناہِ قادریت جناب کو حاصل اور فقیر کا منہ تو کیا قابل۔ ہاں! سرکار کا کرم شامل۔

اس اتحاد کے باعث حضرت کی جو محبت و وقعت قلب فقیر میں ہے۔ مولیٰ عزوجل اور زائد کرے۔ یہ اور زیادہ امید بخش ہے۔ اجازت عطا ہو کہ فقیر محض مخلصانہ شبہات پیش کرے۔ اور خالص کریمانہ جواب لے۔ یہاں تک کہ حق کا مالک حق واضح کرے۔ فقیر بارہا لکھ چکا۔ اور اب لکھتا ہے کہ اگر اپنی غلطی ظاہر ہوئی۔ بے تامل اعتراف حق کرے گا۔ یہ امر جاہل متعصب کے نزدیک عار، مگر عند اللہ و عند العقلاء اعزاز و وقار ہے اور حضرت تو ہر فضل کے خود اہل ہیں۔ لِلّٰہِ الحمد! امید کہ ایک غلام بارگاہِ قادری طالب حق کا یہ مامول حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے مقبول ہو۔ اللھم آمین بالخیر یا ارحم الرحمین۔ اگرچہ ایک نوع جرأت ہے۔ رجسٹری جواب کو ۳, کے ٹکٹ ملفوف نیاز نامہ ہیں۔ والتسلیم مع الکریم

(فقیر احمد رضا قادری)

(اجلی انوار الرضا ص ۵/۶ مطبوعہ بریلی)

(۲)

از بریلی

۱۸/ شوال ۱۳۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بشرف ملاحظہ حضرت والا بالقابہ دام فضلکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کرم نامہ بعین انتظار ۳۴ دن بعد تشریف لایا۔ حضرت نے اس بارے میں ترک مکالمہ ہونے کے بعض وجوہ تحریر فرمائے ہیں۔ اگرچہ ادھر کے رسائل میں انکے بھی جواب

مدتوں سے شائع ہیں۔ حضرت کو معلوم ہو کہ فقیر کا یہ فتویٰ ۲۲ھ میں ''تحفہ حنفیہ'' میں چھپ کر ملک میں شائع ہو چکا۔ نہ علماء نے انکار فرمایا، نہ جہال نے شور مچایا۔ تو اب بھی اگر سب ناصحان سکوت خود اپنی نصیحت پر عمل فرما کر وہی روش چلتے۔ وہی سکوت رہتا۔ مگر بعض وہابیہ نے تازہ زخم کے باعث بعد قبول عدول کیا اور بعض حسادان کا ساتھ دیا۔ مخالف تحریرات شائع کیں۔ جن کا جواب ادھر سے دیا گیا۔

وہ جانتے تھے کہ اس زمانے میں ادنیٰ ادنیٰ بات پر ایک فرقہ بنکر باہمی جنگ و جدال شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے دوسری اقوام کی نظروں میں فریقین ذلیل وخوار دکھائی دیتے ہیں اور ان کو تضحیک کا موقع ملتا ہے۔ غیر مقلد و قادیانی و وہابی وغیرہم قلم آزمائی کو کافی تھے۔ یہ مسئلہ کوئی ضروریات دین سے نہ تھا۔ وہ کہ عمر بھر کے مرتدین کے رد سے ساکت رہے۔ اللہ واحد قہار و محمد رسول اللہ و سید عالم ﷺ پر دیوبندی وغیرہ مدعیان اسلام گالیاں برسایا کئے۔ قادیانی مخذول نے توہینات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم میں کیا کیا ملعون رسالے لکھے اور وہ حضرات کانوں کان خبر نہ ہوئے۔ گویا وہ گالیاں کسی اور دین کے معبود باطل و رسول کا ذبین پر پڑ رہی تھیں۔ جس کے دفع کی حاجت نہ تھی۔ ایسے حضرات پر یہ غریب سنی ایک فرعی مسئلہ پر جوان کے زعم میں غلط ہی سہی، میدان کارزار برپا کرنا فرض اعظم تھا۔

کاش! انہیں مصالح پر نظر فرما کر جیسے اللہ و رسول کو گالیاں دئے جانے میں ہمیشہ خاموش رہے اور ابتک خاموش ہیں ۲۲ھ کی طرح ایک فرعی غلطی پر سکوت کرتے۔ جیسے جب کوئی شور نہ ہوا، اب بھی نہ ہوتا، یا یہ ایسا ہی فرض اہم تھا تو ایک صاحب ادا کر چکے، دوم سوم کو تجدید جدال کی حاجت نہ تھی کہ بات بڑھانے سے بڑھتی۔ مگر ان حضرات کی مصلحت دینی اور عدم تفرقہ اندازی کا حاصل یہ رہا کہ ہم سب کچھ کہیں، رسالے کے رسالے تیرے رد میں شائع کریں۔ یہ نہ جنگ و جدل ہے نہ تفرقہ اندازی۔ نہ غیر قوموں کو تضحیک کا موقع۔ مگر تو جواب دے یہ سب کچھ ہے۔ خیر یونہی ہوگا۔ شاید اس میں بھی میرا ہی فہم خطا پر ہو۔

بہر حال ایک سنی مسلمان کی غلط فہمی اور وہ بھی ایسی کہ اس دفع کا فرض نہیں۔ خصوصاً جبکہ وہ درخواست کر رہا ہے کہ میرے شبہات کی تسکین ہو جائے۔ میں قبولِ حق کے لئے حاضر ہوں۔ اس کے یہ جواب کیا مناسب ہے کہ تو نہ بول، مصلحت کے خلاف طلب حق میں وقت صرف کرنا ضرورت نہیں ہوسکتا۔ مگر نیاز مند نے حضرت سے مطارحہ نہ چاہی تھی۔ حضور پرنور سیدنا وسیدکم مولانا ومولاک۔ حضور سید غوث اعظم رضی الله تعالی عنہ کا واسطہ عظیمہ دیکر اس کی اجازت کی درخواست کی تھی کہ فقیر محض مخلصانہ شبہات پیش کرے اور کریمانہ جواب لے۔ یہ مسئول کسی طرح قابل رد نہ تھا۔ خصوصاً اس حالت میں کہ حضرت کے اسی رسالے مجازہ ص ۳ میں تصریح ہے کہ سائل کے سوال کا رد کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

رسالہ ''القوال الاظہر'' میں اس ادعائے اجماعی قطعی یقینی صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم کے سوا کوئی نئی بات نہیں۔ وہ اول میں تحریرات رامپور وغیرہ کی تلفیق ہے۔ جن پر رد کا عدد دوہزار سے زیادہ ہوگیا ہے اور بحمدہ تعالیٰ لاجواب رہا اور آخر میں فتوائے بدایوں کا خلاصہ ہے۔ جس کا ایک رد بحمد اللہ تعالیٰ میرے اور انکے ملجا و ماویٰ خاص خانقاہ عالیہ سرکار برکاتیہ مارہرہ مطہرہ سے بنام ''مبحث الاذان'' شائع ہو چکا۔ دوسرا بھی سرکار ہی سے بنام ''شافی جواب برکافی ایرادات'' تیسرا'' حافل وہ کافل'' ساڑھے تین سو ایرادات پر مشتمل بعونہ تعالی زیر طبع ہے، بلکہ چوتھا بھی جس میں صرف انہیں کی تحریر سے انکی تحریر کا رد ہے۔

افسوس کہ اس رسالہ ''القول الاظہر'' ص ۴۳ میں اس فتوائے بدایوں کی کمال فاضلانہ تقلید سے نہایت ناگفتنی بات حد سے زیادہ شرمناک واقع ہوئی۔ یعنی ''جامع الرموز'' وغیرہ کتب فقہ کی طرف محض غلط عبارت کی نسبت انکی طرف نرے باطل حوالوں کی جرأت اس کا حال تو بعد کو معروض ہوگا جب اس رسالے پر اظہار شبہات کا وقت حضرت دیں گے۔

ابھی اجماع ہی کی نسبت عرض کرنا ہے کہ اجماع کا ذکر حضرت نے کرم نامہ میں بھی فرمایا۔ اور واقعی اجماع ایسی چیز ہے کہ بعد تشریح کی کوئی وجہ ہی نہیں رہتی لہذا پہلے اس کی

نسبت محض مستفیدانہ سوال کرتا ہے اور الحمد اللہ کہ حضرت کے نزدیک سوال کا رد کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ خصوصاً سائل بھی ایک سگ بارگاہ قادری جو اپنے اور حضرت کے اور ثقلین کے مولیٰ و آقا حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا واسطہ دے رہا ہے اب حضرت جیسے غلام سرکار غوثیت کریم النفس سے ردسوال زنہار متوقع نہیں۔ الحمد للہ رب العٰلمین و حسبنا اللہ و نعم الوکیل وصلی اللہ تعالیٰ سیدنا مولٰنا محمد و آلہ و صحبہ وابنہ و حزبہ اجمعین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال اول: ائمہ نے اجماع کی کیا تعریف فرمائی۔ اور وہ اذان ثانی داخل مسجد ہونے پر کیونکر صادق؟

دوم: ہمارے فقہائے کرام نے کہیں اس اجماع کا ذکر فرمایا؟ نہ فرمایا تو صاف انکار دیجئے اور فرمایا تو کہاں؟

سوم: یہ تقسیم وتعریف کہ ''تواترا جماع کی ایک قسم ہے۔ کس کلام پر اجماع ہوگیا، تواتر نام پایا۔ کس فعل پر اتفاق ہوگیا، اجماع کہلایا۔ کتب معتمدہ میں یا تازہ ایجاد، اگر ہے، تو کہاں؟

چہارم: روشن علم پر اس کی تطبیق بھی ارشاد؟

پنجم تا ہفتم: رسالہ صفحہ ۱۵ میں اس اجماع سے قطعی ہونے صفحہ ۲۳ میں یقیناً اجماع ہونے، صفحہ ۳۷ میں اجماع صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے صفحہ ۹ میں مثل اجماع اذان و صلوٰۃ ہونے کا دعویٰ ہے کہ وہ رد ہو تو کسی اجماعی مسئلہ، حتی کہ نماز پر اطمینان نہیں رہ سکتا۔ ان دعووں پر دلیل کافی ارشاد ہو۔

ہشتم: اگر تمام مباحث سے قطع نظر ہو تو حضرات کرام مالکیہ اور خود انکے امام سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ ربع اسلام ہیں۔ کیا ان کے خلاف کے ساتھ کوئی اجماع منعقد ہوسکتا ہے۔ کیا اسے قطعی یقینی و مثل اجماع نماز؟

نہم: ابن حجر شافعی المذہب کی عبارت سے کہ صفحہ ۳۵ میں استدلال ہے۔ اس میں ہذالمحل سے داخل مسجد کی طرف اشارہ ہے یا بین یدی الامام کی طرف؟ اوّل تعین پر کیا دلیل ہے؟

دہم: بالفرض ہو بھی تو اس میں اجماع صحابہ کا کوئی لفظ ہے یا محض اپنے خیالات پر قطعیت وتعیینت کا دعویٰ ہوسکتا ہے؟

یازدہم: نہ بھی سہی تو ایک ابن حجر کی نقل سے یقیناً اجماع ہونا کیونکر مانا؟ کتب اصول میں اجماع منقول آحاد کا حکم ہے اور اس کی بھی تعریف یہاں صادق ہے۔ یا صرف ادعائے مصنف؟

دوازدہم: یہی ابن حجر اسی فتح الباری میں جو ملک مغرب کا حال لکھتے ہیں وہ اس جزئی دعوے 'جمیع بلاد اسلامیہ'' اور صفحہ ۸ میں صریح تصریح ''تمام عرب وعجم شرق وغرب'' پر کیا اثر ڈالتا ہے؟

سیزدہم: کسی کتاب معتمد میں تصریح ہے کہ یہ اذان جمیع بلاد اسلامیہ میں داخل مسجد ہوتی ہے؟ اگر نہیں تو فرمادیا جائے کہ اس کی تصریح کتاب میں نہیں اور اگر ہے، تو اس کتاب کا نام مع عبارت وحوالہ صفحہ ارشاد ہو۔

چہاردہم: اگر کسی کتاب میں نہیں، تو یہ دعوے رویت کی طرف مستند ہے یعنی تمام بلاد اسلامیہ میں تشریف لے گئے اور خود ملاحظہ فرمایا۔ رویت کی جانب یعنی تمام جہاں کے ہر اسلامی شہر سے خبر معتمد شرعی آئی؟ جو کچھ ہو بیان فرمائیں۔اجر پائیں اور سر دست دنیا بھر کے سب اسلامی شہروں کے نام ہی ارشاد ہوجائیں۔ ورنہ قیاس الغائب علی الشاھد کی شناعت خود حضرت والا ہی کے رسالہ'' مقاصدالاسلام'' کے حوالے سے صفحہ۱۳ پر منقول ہے۔

نزدہم: صفحہ ۹۔ ۱۷ پر فروعی مسئلہ کو بھی من شذ شذفی النار میں داخل فرمایا: کیا ائمہ

معتمدین بھی اختلاف فقہی کو اس کا مصداق بتاتے ہیں۔ ہاں تو کہاں؟

شانزدہم: ائمہ مجتہدین نے جن مسائل فرعیہ میں جمہور کا خلاف فرمایا۔ انہیں معلوم تھا کہ لاکھوں لوگ اس مسئلہ میں ہمارے متبع ہو جائیں گے؟ کیا اس علم کی انہوں نے تصریح فرمائی یا غیب پر حکم ہے؟

ہفدہم: بالفرض انہیں یہ معلوم بھی ہو، تو کیا گناہ شدیدہ جس پر حدیث میں دوزخ کی وعید اس خیال پر جائز ہو جاتا ہے کہ آگے چل کر لوگ اس میں ہمارے ساتھی ہو جائیں گے؟

ہیج دہم: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تطبیق رکوع، سیدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنز، سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدم نقض وضو بالنوم، سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابتدائے مسئلہ استمتاع میں جمہور کا خلاف کیا۔ ان تمام صحابہ کرام اور ان کے امثال عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو معاذ اللہ من شذ شذ فی النار کا مصداق بنانا سنیت ہو سکتا ہے؟

نوزدہم: ۳۳۔۳۴ پر ہے۔ حدیث سے صرف عہد نبوی علیہ السلام سے لیکر زمانہ صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک حال معلوم ہوا کہ باب مسجد پر آذان ہوتی تھی۔ اس کے بعد کا حال ہنوز پردۂ خفا میں ہے۔ ممکن ہے کہ جہاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے ایک اذان کے اضافے سے تغیر ہوا۔ وہاں یہ تغیر بھی کچھ بعید نہیں کہ جو اذان عہد سابق میں باب مسجد پر ہوتی تھی۔ وہ اب قریب منبر ہو۔ کیا اسی ممکن اور بعید نہیں سے اجماع قطعی ثابت ہوتا ہے؟

بستم: پھر اس کی شہادت میں عبارت مولوی عبد الحئی صاحب لکھنوی، عمدۃ الرعایہ سے لکھی "ثم نقل الاذان الذی کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر صدر من خلافۃ عثمان بین یدیہ ص ۳۶ پر لکھا ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم

وعہد صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں اذان خارج مسجد، دروازے پر ہوتی تھی۔ اور اعلام للغائبین کے لئے تھی۔ لیکن عہد عثمانی میں وہ داخل مسجد ہوگئی۔ الحمد للہ! کہ محمد رسول اللہ ﷺ وصدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنت تو تسلیم فرمالی کہ یہ اذان مسجد سے باہر تھی۔ اور اسی لئے مولوی صاحب لکھنوی نے اسی کو سنت کہا۔ رہا یہ کہ زمانہ ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں داخل مسجد ہوگئی۔ یہ عبارت مولوی صاحب لکھنوی کے کس حرف کا مطلب ہے؟ ثم نقل کی ضمیر کس طرف ہے؟ عمدۃ الرعایہ اور اسکی اصل مدخل امام ابن الحاج کی پوری عبارت ملاحظہ فرما کر ارشاد ہو۔ کیا ایسے تخیل کی بنا جس کا مبنیٰ مولوی صاحب لکھنوی کی عبارت تک نہ سمجھتا ہو، سنت محمد ﷺ وصدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما مان کر رد کر دینا صحیح ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔ یہ تو وثوق ہے کہ حضرات ایک سائل طلب حق کا سوال رد نہ فرمائیں گے مگر.........اگر ارشاد جواب میں تاخیر ہو، تو رفع انتظار کے لئے اتنا تحریر فرما دینا کہ اتنے دنوں کے بعد جواب عطا ہوگا، کرم سازی سے بعید نہیں۔ کل تصانیف گرامی کا شوق ہے۔ اگر بہ قیمت ملتی ہوں، قیمت سے اطلاع بخشی جائے۔ دو جلد قادیانی مخذول کے چند صفحات دیکھے تھے۔ ایک صاحب سے انکی تعریف کی، وہ لے گئے۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

۱۸/شوال المکرّم روز جاں افروز دوشنبہ ۱۳۳۳ء

(اجلی انوار الرضا ۱۷ تا ۲۲ مطبوعہ بریلی)

از بریلی

(٣)

٢٩ رمحرم ١٣٣٤ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جناب والا دامت برکاتہم بعد تحیہ مسنونہ سنیہ۔

گزارش نیازمند کی پہلی رجسٹری کا جواب تو ٣٥ دن میں مل گیا تھا۔ اس دوسری رجسٹری کو آج سو دن کامل ہوئے، ١٨ر شوال کو گئی تھی۔ آج ٢٩ محرم الحرام ہے۔ یہ تو احتمال نہیں کہ جناب جواب سوالات پر مطلع ہو کر حق اپنی طرف سمجھ لیں اور جواب سے اغماض فرمائیں کہ جناب نے اسی رسالہ میں تصریح فرما چکے ہیں ''سوال سائل کا رد گناہ بیرہ ہے'' اور یہ احتمال اس سے بھی بعد تر ہے کہ حق اس نیازمند کی طرف سمجھ کر قبول سے عدول ہو کر ترک صواب ترک جواب سے بدرجہا بدتر ہے۔

جناب کے فضائل ان دونوں احتمالوں کو گنجائش نہیں دیتے۔ لاجرم یہی شق متعین ہے کہ ہنوز رائے شریف متردد ہے۔ایسی حالت میں تاخیر بے جا نہیں۔

ع نکو گوا گر دیر گوئی چہ غم۔

مگر رفع انتظار کے لئے اتنا تحریر فرما دینا ضرور تھا کہ جواب ملے گا اور اتنی مدت تک ملنے کی امید ہے۔میں نے اخیر گزارش نامہ میں بھی یہ گزارش کردی تھی اب سو دن کامل انتظار کر کے گزارش کرتا ہوں کہ واپسی ڈاک مژدہ میعاد جواب سے اطلاع ہو۔ یہ نیم سطر کہ جواب دیں گے، فلاں وقت تک انتظار کرو۔ لکھنے میں کچھ وقت نہیں مانگتی ۔ آٹھویں دن تحریر آسکتی ہے۔ دس دن انتظار کرونگا۔ بس وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

٢٩ محرم الحرام ٣٤ھ روز چہار شنبہ

(اجلی انوار الرضا ص ٢٢ مطبوعہ بریلی)